# کلامِ اقبال کے قرآنی پرتو میں معاصر مسلم معاشرے کی سماجی و ثقافتی تعلیمات کا تنقیدی جائزہ

# The Contemporary Muslim Society and Discourse of Socio-Cultural Life in Iqbal's Poetry: A Critical Appreciate from the Quranic Milieu

ڈاکٹر فرحت جبیں ورک *

ڈاکٹر محمد بلال **

## ABSTRACT

Allama Muhammad Iqbal, the national poet of Pakistan, remains influential in engendering the socio-cultural and political discourses of a meritorious Muslim society. Qur'anic wisdom and prudence played a momentous role in the construction of Iqbal's imagination of an ideal self and community. Iqbal's poetry intertwined with Qur'an through intertextual references dominates the production of meaning in his versification. Consequently, many consider him the poet of the Qur'an. Furthermore, his ideas on political, social and religious reforms and his visualization of progress in life are enormously enthused by Qur'anic sources. The literary parallel of Allama Iqbal's poetry can be drawn with Masnavi Maulana Rumi where Qur'anic judiciousness and sagacity play a crucial role. Allama Iqbal's association with Qur'an remained rudimentary throughout his life. The personal realization and embodiment of Quran in Iqbal's life while confronting the traditional interpretations of the holy book provides his poetry with a unique characterisation. Consequently, since the inception of Pakistan in 1947, this remains a popular reformation discourse that messages of Iqbal's poetry provide a powerful foundation for the restructuring of the social structure. This article, while applying anthropological theoretical framework, aims at exploring the Iqbal's approach to the Qur'anic intertextuality in the backdrop of contested interpretations of his poetry. It also investigates Iqbal's conceptions of an ideal Muslim society and his propositions to overcome the socio-cultural and political predicaments.

**Keywords**: *Allama Muhammad Iqbal, Poetry, Qur'an, Intertextuality, Ideal Muslim Society, Social Structure Socio-Cultural System.*

---

* صدر شعبہ اُردو، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

** صدر شعبہ بشریات، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی

ابتدائے آفرینش سے ہی مُردہ قدروں و نظریات کو مسمار کیا جاتا رہا ہے اور اِن کی جگہ نئی قدروں اور نظریات کو روشن امکانات کی تکمیل کے لیے اپنایا گیا۔ بقول کلیم الدین احمد: "اس دُنیا میں انہدام، تعمیر، زوال و عروج ایک ہی رشتہء حقیقت سے منسلک ہیں۔"(۱) نئے اصول و تجدیدی خیالات حقیقت میں پرانی عمارت کی بنیادوں پر ہی کئے جاتے ہیں۔ تمام انسانی سماجوں میں "معیارِ انسانیت" ایک ایسی قدرِ مشترک ہے کہ جسے دُنیا کے تمام مذاہب نے خیر و شر کے تصور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔ اسلام "معیارِ انسانی" کے لیے "انسانِ کامل" کا تصور پیش کرتا ہے اور اعلیٰ اخلاق کا منبع سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کو قرار دیا گیا ہے۔ اعلیٰ اخلاقیات کی پیروی کرنا ہی مسلم تہذیب و ثقافت کی معراج کہلاتی ہے۔ جس کی سب سے پہلی سیڑھی اطاعتِ الٰہی پھر ضبطِ نفس ہے۔ کیونکہ حقیقی معنوں میں "تم اپنے نفس کے فرعون کو قابو کرلو، اس سے پہلے کہ وہ تمہیں اپنے قابو میں کرلے۔" (۲)

نہایت منزلِ مقصود انسانی تخیل، امنگوں اور روح کی مکمل آسودگی کا باعث ہے۔ انسانی سماج چاہے وہ مسلم تہذیب و ثقافت کا نمائندہ ہی کیوں نہ ہو، اجتماعی کامل آسودگی، اطمینانِ قلب و روح دراصل انفرادی کامل آسودگی کا متقاضی ہے۔ یہی انفرادی کامل آسودگی بالآخر اجتماعی کیف و سرور کا سرچشمہ بنتی ہے۔ وگرنہ تو سماج سو طرح کی فطرتِ اِنسانی کا ترجمان ہے۔

بقول حالی:

جانور، آدمی، فرشتہ، خُدا
آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں (۳)

انسانی زندگی کی سماجی و ثقافتی بے ربطی ایک سوالیہ نشان بنتی جارہی ہے۔ اِسی بے ربطی کے بیچ اگر اچھائی کی اجتماعی تقلید کا رویہ بیدار ہوجائے تو اس کے جملہ تناقص و تہافت بالآخر ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی بجا ہے کہ وحشیانہ نوعیت کے عناصر یک قلم ناپید نہیں ہوتے بلکہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی اپنی حیاتِ مبارکہ میں بھی خیر و شر مسلم تہذیب و ثقافت کے زینوں پر برابر موجود رہے۔ لہٰذا اجتماعی آسودگی و مسلم تہذیب کی بقا کے لیے انسان کو روحانیت کے درجے پر فائز ہونے کا جو درس ملتا ہے وہ صرف اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ ہے۔ نفسِ امارہ کے

(۱) کلیم الدین احمد، اُردو شاعری پر ایک نظر (کلاسیکی دور)، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد ۲۰۱۷، ص۔۱۷

(۲) ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، آگہی کی جستو، نشر القرآن پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن۔ ص۔ ۴

(۳) الطاف حسین حالی، مولانا، کلیات نظم حالی (جلد اول)، مرتبہ: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی مجلسِ ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۱۴۲

خلاف جہاد کرنے والا انسان ایک نقطے کی غلطی سے محرم سے مجرم بنتا ہے تو پھر تاریخ اُسے راندِ زمانہ قرار دیتی ہے مگر ایک نقطہ ہٹا دینے سے وہ پھر مجرم سے محرم بن سکتا ہے اِس کے لئے توبہ اور عمل صالح شرط ہے۔ سماج پر اکائی کا اثر انداز ہونا ایک فطری عمل ہے۔ لہٰذا اخلاقی قدروں کو مذہب اور شعور کے تابع لا کر ہی سماجی ڈھانچے کی تکمیل کا تصور پیش کیا جا سکتا ہے۔

بقول سعید احمد

> اگر انسان کی روحانی بلند پروازی کے آگے فرشتوں کے پر جلتے ہیں تو انسانی اخلاقی پستی پر شیطان بھی انگشتِ بدنداں ہو جاتا ہے اگر ایک طرف وہ سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے قابِ قوسین وادنیٰ کی مَنزل تک جا پہنچتا ہے تو دوسری جانب تحت الثریٰ سے بھی نیچے جا گرتا ہے۔(۱)

"سورۃ العصر" میں انسان کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ جلد باز، کمزور، جاہل، نادان، جھگڑالو اور ظالم ہے۔ یہ اسلامی ثقافت ہے کہ جو اُس کے طرزِ عمل و افکار کو جدید دور سے ہم آہنگ کرنے کا معیاری تصور اُجاگر کرتی ہے۔ سماج یعنی اجتماع کی بہتری منظم تعلیمی نظام و تربیت میں مضمر ہے۔ لہٰذا تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت اور تربیت دینے والے کا کسی نہ کسی برتر حالت میں وجود ضروری ہے۔ ایک بڑا شاعر و ادیب اسی تعلیم کا سماجی و ثقافتی تربیت سے انسلاک کر کے انسانی زندگی میں مذہبی اقدار و ثقافت کی جدید صورت کی نشاندہی کرتا ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے ایک مضمون میں ادیب کے اس منصب کی نشاندہی کچھ اس جامعیت کے ساتھ کرتے ہیں:

> یہ طے ہے کہ کوئی ادیب اور فنکار معاشرے کے ربط اور ذمہ داری سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ ادیب دراصل اپنے معاشرے کے جذبات کا قدرے آزاد نمائندہ ترجمان ہوتا ہے۔ معاشرے کی نمائندگی اور افراد بھی کرتے ہیں مگر ادیب معاشرے کا حساس ترین نمائندہ ہوتا ہے جس کا قلب قومی زندگی کی نازک ترین جذباتی لہروں کو اوروں سے کہیں زیادہ محسوس کرتا ہے، قدرت کی یہ عجوبہ اسرارِ الٰہیٰ میں سے ہے۔ اِسے ایک خاص قسم کی

---

(۱) سعید احمد، اُردو داستانوں میں حیوانات کی علامتی حیثیت (غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم فل اُردو)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء ص۔ ۳۱

عصابی، اعصابی اور نفسیاتی شخصیت عطا کی جاتی ہے۔ اس لئے بعض اوقات اِس مخلوق کو "ترقی یافتہ ءالہام" یا جدید سوشیالوجی کی اصطلاح میں Charismatic مخلوق کہا جاتا ہے اور اس کی قومی ذمے داری بھی کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔ (۱)

انسانی تاریخ انسان کے مفہوم کو سنوارنے کے لیے اُسے ثقافت کی تہ میں انجام پانے والے عوامل میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کے اجزائے ترکیبی کی آمیزش کا درس دیتی ہے۔ انسان کو اپنی حیات کا ہر عمل اُس کی ثقافت کے موافق اور ماحول کے ساز گار کر کے ہی ذہن و روح کا سکون ملتا ہے۔

مؤرخین کے مطابق انیسویں صدی انسانی دساتیر حیات کے لیے ایک للکار بن کر طلوع ہوئی۔ جس نے براہِ راست برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے کلچر اور روحانی زندگی کی قدروں کو جھنجھوڑا۔ اس سے پہلے کہ اسلامی فلسفۂ حیات میں کسی قسم کے شکوک بڑھتے اور دہریت کی بنا پڑتی، سید احمد بریلوی اور بعد ازاں سر سید احمد خاں نے فطری مذہب کو جدید دُنیائے علوم سے ہم آہنگ ہونے کا پیغام دیا۔ ہر صدی میں مفکرین اور انسانیت کو راہِ عمل پر ڈالنے کے لیے گوہر کامل آتے رہے ہیں مگر تحقیق طلب امر یہ ہے کہ آخر ایسا کونسا اور کس نوعیت کا کلام ہے کہ جس میں آفاقی پیغام ملا۔ جس نے محکومی کا احساس اور آزادی کی تڑپ بیدار کی تو وہ کلامِ اقبال ہے۔ اقبال نے ہندوستان کے عصری معروضی حالات یعنی سیاسی و سماجی مسائل کے حل کے لئے اجتماعی لاشعور کو جھنجھوڑا۔ اُنھوں نے زمینی تلخ حقائق کا حل اپنی ثقافت سے جڑت اور مذہبی میلان میں تلاش کیا۔

بقول ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار:

> پہلی جنگِ عظیم کا آتش فشاں جب سامراجی اقوام کے قصر و ایواں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا، اقبال بڑی خاموشی کے ساتھ "اسرارِ خودی" اور "رموزِ بے خودی" لکھ کر اپنا مستقل نظریۂ حیات پیش کر رہے تھے۔ فرد اور جماعت کی خود شناسی و خود گری کا یہی سبق اُن کی آئندہ فارسی و اُردو شاعری کا مرقع بنا۔

دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اِک مردِ تن آساں تھا تن آسانوں کے کام آیا (۲)

---

(۱) سید عبداللہ، ڈاکٹر، ادب اور قومی شعور مشمولہ ادب و فن، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، جون ۱۹۸۷ء، ص ۲۷۱

(۲) غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۔ ۳۴۹

فکرِ اقبال سماج مذہب اور فرد کی تثلیث کی فعالیت کو زیرِ بحث لاتی ہے۔ کلامِ اقبال سماجی، اخلاقی بنیادوں کے لئے اسلامی فکر کو اساس جبکہ فرد کے مثبت کردار کو اکائی تصور کرتا ہے۔ اقبال کے کلام میں عام اندازِ سخن سے انحراف ملتا ہے جبکہ سماج و ثقافتی بیانیوں کی وہ ترقی پسند نئی جہات سامنے آتی ہیں کہ جو مذہبی روایت کو جدید سماج سے ہم آہنگ کر کے مسلم معاشرے کی تربیت کو تخلیقات کے ہنر سے آشنا کرنے کے لئے ترغیب و ترتیب دیتا ہے۔ یہ انسانی تخیل ہے کہ جو لفظوں، مظاہرِ فطرت اور مصوری کے وسیلے سے مختلف سوچوں اور فکروں کا بیج بوتا ہے۔ شعر و ادب کو وسیلۂ اظہار بنانے والوں کو اپنی تمام حسوں کو بروئے کار لانا ہوتا ہے جبکہ بڑا شاعر باطنی حواس کو بھی وسیلہ بناتا ہے، عکس و الفاظ اُس وقت مؤثر اور بلیغ اظہاریہ بنتے ہیں جب شاعر، ناظر و سامع کو وہ خواب دکھائے جو اُس کے خوابوں کو ایک بہتر عملی صورت دینے کے لائق ہو۔ اقبال نے بھی اپنے فارسی و اُردو ہر دو کلام میں وہ علامتیں اور استعارے استعمال کئے ہیں کہ جن کی وجہ سے کلامِ اقبال اور برصغیر پاک و ہند کی ثقافتی و سماجی زندگی میں ابلاغ کا مسئلہ نہ ہونے پائے۔ سماج کی بہبود کے لئے دیکھے گئے خواب کو کلامِ اقبال میں مذہب و ثقافت کے میلان سے ایک مربوط صورت ملتی ہے۔ کلامِ اقبال میں آیات قرآنی کے حوالوں کی مدد سے لفظوں اور مکمل شعروں کے درمیان نئے جامع معانی کے آہنگ و تربیت کا نظام موجود ہے۔

اقبال کا تصورِ مذہب محض مذہبی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اقبال اسلام کو ایک ایسے نظریے کے طور پر دیکھتے ہیں کہ جو انسانی سماجی و ثقافتی زندگی کی نئے زمانوں سے تطبیق کے لئے بھی فعال ہو۔ اقبال کے اس نظریہ کے تحت مذہب و سماج کے تعلق میں مشرق و مغرب ہر دو تناظر میں سمجھا جا سکتا ہے جبکہ مماثل جہتوں کی جستجو و تحقیق کے ضمن میں ماہرینِ بشریات (Anthropologists) مذہب کو ثقافتی نظام کی فعالیت کے لئے ممد و معاون قرار دیتے ہیں۔

اُن کے مطابق مذہب ایک ایسا خاص طاقتور علامتی نظام ہے کہ جو چند بنیادی فرائض کی ادائیگی کے لئے انسانی حیات کو ہمہ وقت تیار رکھتا ہے۔ جن میں افراد کو طاقتور اور تادیر قائم رہنے والے مزاج و محرکات اور قوتِ ارادی کو ترغیب ملتی ہے، مذہبی ترتیبِ حیات کا صحت مند عمومی و خصوصی تصور اُجاگر ہوتا ہے۔ مزید براں مذہب ایک ایسے پہناوے کا کردار ادا کرتا ہے جو اِس تصورِ حیات سے متعلق اعتقادات کو بطور مسلّم حقیقت پیش کرتے ہیں۔ نتیجتاً حرکات و سکنات اور ان سے متصل حوصلہ ایک دلپذیر حقیقت محسوس ہوتے ہیں۔

ماہرِ بشریات، کلیفرڈ کے نظریۂ مذہب کے مطابق مذہب، معاشرتی حقائق کی تشریح کرتا ہے اور فرد کے رویہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے جبکہ اقبال کے نزدیک نظریۂ مذہب معاشرتی حقائق کی تربیت کا نام

ہے۔ کلیفرڈ اور اقبال کا نقطۂ نظر یہاں ایک نقطۂ اتصال پر ملتے ہیں کہ انسانی اخلاقیات، کردار حتیٰ کہ جمالیاتی احساسات کے تعین میں بھی مذہبی عقائد و علامات ایک بنیاد مہیا کرتے ہیں۔

کلیفرڈ اور اقبال کے نقطۂ نظر سے اس بات کی بھی غمازی ہوتی ہے کہ مختلف سماجوں میں مذہبی رسومات دراصل عقائد کو مضبوط کرتی ہیں اور جس کے نتیجے میں ایک مخصوص نفسیات کی تعمیر ممکن ہو پاتی ہے۔ اسی اصل کو اولین حقیقت مان کر فرد اپنی زندگی کے تخیل کو بھی ترتیب دیتا ہے جس کی بنیاد پر بعد ازاں اُس کی عملی زندگی کی توجیہات قائم ہوتی ہیں۔ ان معاشرتی حقیقتوں کو کلیفرڈ کی زبانی مزید دلیل ملتی ہے

> …. sacred symbols function to synthesize a people's ethos — the tone, character, and quality of their life, its moral and aesthetic style and mood — and their world view —the picture they have of the way things in sheer actuality are, their most comprehensive ideas of order. In religious belief and practice a group's ethos is rendered intellectually reasonable by being shown to represent a way of life ideally adapted to the actual state of affairs the world view describes.(1)

مذہب انسانی تجربات اور محض علم کے طور پر ہی وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ ایک مقتدر طاقت اور بطور ثقافتی و تہذیبی نمونہ، انسانی داخلی کیفیات کو منظم و متاثر کرتا ہے۔

ماہرینِ بشریات کے نزدیک مذہب ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو تاریخی قوتوں اور سیاق کے نتیجے میں جنم لیتا ہے۔ وہ مذہب کو زندگی کے دیگر پہلوؤں اور اداروں سے الگ نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس قسم کی تقسیم کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک مذہب باقی سماجی اداروں جیسا کہ؛ معاشیات، سیاسیات وغیرہ سے علیحدہ نہیں۔ یہاں وہ کلیفرڈ سے متفق نہیں بلکہ اپنا ایک الگ نقطۂ نظر وضع کرتے ہیں کہ مذہب کا علامتی نظام آزادانہ وجود نہیں رکھتا بلکہ مذہبی علامات اور غیر مذہبی علامات و محرکات کے باہمی تعلق کو تاریخی تناظر میں دیکھ کر ہی مذہب اور اس کے اثرات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں طلال اسد، یوں رقمطراز ہوتے ہیں کہ

> … The insistence that religion has an autonomous essence - not to be confused with the essence of science, or of politics, or of common sense-invites us to define religion (like any

(1) Geertz Religion as a Cultural, Clifford (1973). System. In: Geertz. The Interpretation of Cultures. New York: Basic Books, 87–125. 1973: pp.89-90)

essence) as a Trans historical and transcultural phenomenon. It may be a happy accident that this effort of defining religion converges with the liberal demand in our time that it be kept quite separate from politics, law, and science - spaces in which varieties of power and reason articulate our distinctively modern life. This definition is at once part of a strategy (for secular liberals) of the confinement, and (for liberal Christians) of the defense of religion. (1)

کلامِ اقبال میں فرد کو اجتماعیت پر توجہ دینے کا وہ حقیقی و عملی درس ملتا ہے کہ جو عصرِ حاضر میں مسلمان اُمہ کو اپنی اجتماعیت میں ضم ہو کر ذلت ورسوائی کا باعث بننے والے عناصر کے خلاف اکسیر کا کام دیتا ہے۔ جب تک مسلمان ایک اجتماع تھے اور اپنی ثقافت و اقدار کو اپنی شناخت کا ذریعہ سمجھتے تھے، انسانی معاشروں میں ممتاز رہے۔ عصرِ حاضر میں پاکستانی سماج میں اکثر یہ بات زیرِ بحث آتی ہے کہ مسلمان کو اگر اپنی کھوئی ہوئی شان و شوکت، حقیقی مقام پھر سے حاصل کرنا ہے تو کتابِ ھدیٰ کے اِس درس پر عمل پیرا ہونا ہو گا۔ اِسی کے لئے واضح ہدایت کلام اللہ میں ہے کہ

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (۲)

اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو

اِسی درسِ نجات کو اقبال یوں بیان کرتے ہیں؛

فردِ را ربطِ جماعت رحمت است ۔۔۔ جوہر اور ا کمال از ملّت است
ناتوانی باجماعت یار با ۔۔۔ رونقِ ہنگامہء احرار باش
حرزِ جان کُن گفتہ خیر البشرؐ ۔۔۔ ہست شیطان از جماعت دُور تر
فرد و قوم آئینہء یک دیگر اند ۔۔۔ سلکِ گوہر، کہکشاں واختر اند
فرد گیروز ملّت احترام ۔۔۔ ملّت از افرادی یا بد نظام (۳)

---

(1) Asad, Talal (1993). The Construction of Religion as an Anthropological Category In: Genealogies of religion: Discipline and reasons of power in Christianity and Islam. Baltimore: Johns Hopkins University Press. 27-54, 1993. P.28).

(۲) القرآن الکریم، سورۃ آل عمران، سورۃ:۳: آیت ۱۰۳، مطبوعہ: انٹرنیشنل بزنس مینجمینٹ، کراچی

(۳) محمد اقبال، علامہ، در معنی ربطِ فرد و ملت مشمولہ مثنوی اسرار و رموز، کتب خانہ نذیریہ، اُردو بازار دہلی، ۱۹۶۲ء، ۷۷

اکائی اور اکائیوں کا اتحاد فعال سماج کی شُنید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر میں قرآن وحدیث کے بعد کلامِ اقبال کو ہدایت کے اہم ذریعے کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ اقبال کے اشعار خواہ فارسی کلام ہوں یا اُردو عصرِ حاضر کے مسلمان کو قنوطیت سے نکال کر مسابقت کا جذبہ بیدار کرتے ہیں۔ اُن کے اشعار عصرِ حاضر کے نوجوان کو جہدِ مسلسل کی رغبت دلاتے اور "خودی" کی اصل روح کو بیدار کرنے کا پیش خیمہ ہیں۔

وہ خودی کا تصور اُن مخصوص معنوں میں دیتے ہیں کہ جس سے اسلامی تصوف وروحانی اقدار کی ترجمانی ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں بار بار "غور وفکر"، فعال حرکت، جستجو اور تحقیق کرنے کا حکم ملتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ

﴿قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (۱)

ترجمہ: کہہ دو دیکھو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے

﴿اَ لَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْ لِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَا رِ وَ يُوْ لِجُ النَّهَا رَ فِى الَّيْلِ﴾ (۲)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔

اقبال نے بھی کلام اللہ کے پیغامِ رُشد وہدایت کی مدد سے آج کے نوجوان مسلمان کو اپنی صلاحیتوں، خُداداد استعدادوں اور عرفان کے حصول پر زور دیا ہے۔ غور وفکر، تدبر، استفہامیہ پیرائے (کیا تم نہیں دیکھتے) میں وہ نوجوان مسلمان کو غور وفکر کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اقبال، استفہامیہ انداز قرآنِ پاک ہی کی طرز پر اپناتے اور پھر ماضی نمائی (flashback) کی تکنیک کو بھی بروئے لاتے ہیں۔

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟ وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں کُچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سر دارا
تمدن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتر بانوں کا گہوارا (۳)

---

(۱) القرآن، سورۃ یونس، سورۃ ۱۰: آیت ۱۰۱

(۲) القرآن، سورۃ لقمٰن، سورۃ ۳۱: آیت ۲۹

(۳) محمد اقبال، علامہ، خطاب بہ جوانانِ اسلام مشمولہ بانگِ درا، سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء، ص۔ ۱۰۵

محولہ بالا تلمیحات میں استفہام و ماضی نمائی کا مکمل تاثر ملتا ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کی تلثیث(Triangle) عصرِ حاضر کا جدید مسلم معاشرہ نہ صرف خُداشناسی کا وسیلہ حاصل کرتا ہے بلکہ اپنے عقائد و اعمال کو سدھارنے کے لیے بھی قوت وصلاحیت سے معمور ہو جاتا ہے۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں کلامِ اقبال عصرِ حاضر کے مسلم معاشرے کی نئے سرے سے تعمیر (Reconstruction) پر اصرار کرتا ہے۔اِس ضمن میں اقبال اپنے کلام میں کسی بھی چیز یا مظہر کے منفی و مثبت ہر دو پہلوؤں کی طرف رجوع کی ترغیب دیتے ہیں۔اِس امر کے مؤثر ہونے کے لئے وہ سماج کی تعمیر و تخریب ہر دو کے لئے فرد کے کردار کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ چناچہ اپنی بات میں تفکر و تفلسف کے عناصر پیدا کرنے کے لئے قرآن پاک سے رہنمائی لیتے ہیں۔یوں فرد کی کسی کیفیت، اجتماع کی تربیت کے لئے وہ تجربے اور مشاہدے کو بہ صورتِ شعر ڈھالتے ہیں۔اِسی تربیت کے لئے وہ قرآنی تعلیمات سے رہنمائی لیتے ہیں جس کے مطابق انسان اعمال میں مجبور نہیں بلکہ سورۃ النجم، آیت:۳۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ [۱]

ترجمہ: اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو کرتا ہے۔

انفراد کے علاوہ اجتماع (قوم) کی تربیت کے لیے بھی سورۃ الرعد، آیت:۱۱میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰه لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ [۲]

ترجمہ: بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے ۔

کلامِ اقبال میں اس کی ترجمانی یوں ہوتی ہے کہ

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے [۳]

نقشِ حق داری جہاں نخچیر تست
ہم عناں تقدیر با تدبیر تست [۴]

---

(۱) القرآن، سورۃ النجم، سورۃ ۵۳: آیت ۳۹

(۲) القرآن، سورۃ الرعد، سورۃ ۱۳: آیت ۱۱

(۳) کلیات اقبال (اردو)، علامہ محمد اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاھور، بزم اقبال، لاھور. اشاعت دوم ۱۹۹۴ء، ص۔۲۱۳)

(۴) مولانا اقبال لاھوری، کلیات اشعار فارسی، بامقدمہ: احمد سروس، انتشارات سنائی، تھران چاپ ہفتم ۱۹۷۶ء، ص۔۱۲۹

قرآن پاک کی تعلیمات شعور کو جِلا بخشنے کا وسیلہ ہیں اور یہ تجسس، شوق، لگن، چاہت اور بیداریٔ حواس کے بغیر ممکن نہیں۔ شعور کا حصول یقینِ کامل کے بغیر ناممکن ہے۔ شعور، بیداریٔ تجسس اور فہم سے مرسوم ہے جبکہ ان کی مشترکہ روح کی بقا کائنات سے مسلسل تسویہ و جستجو کی صورت بحال رہتی ہے۔ شعور کی بیداری اور یقینِ کامل کی اس حد تک شباہت دراصل انسانی فکر کو جِلا بخشنے کا اولین وسیلہ ہے۔

فکرِ اقبال بھی قرآنی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کو مسلسل تفکر و تدبر کا پیغام دیتی ہے، جو آفاقیت کا حامل ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری عالمِ اسلام کے لئے ایک ایسے منشور کا درجہ اختیار کر سکتی ہے کہ جہاں زندگی، آزادی، خودی، تحرک اور بیداری کے درس کی ترسیل لحہ لحہ ممکن بنائی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ نکتہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ ان کی شاعری کا اصل منبع قرآن اور صاحبِ قرآن حضرت محمد ﷺ کا اسوہ ٔکاملہ رہا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مشاہدہ بتاتا ہے کہ اقبال جس عظیم ہستی کی پیروی اور مریدی میں اس نہج پر پہنچے وہ مولانا جلال الدین رومی ہیں۔ جن کی مثنوی کے لئے قرآن بنیادی ماخذ کی طرح ہے۔ جس کا اعتراف اقبال نے بھی یوں کیا ہے۔

پیرِ رومی مرشد روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر

شرح: پیرِ رومی ایک روشن ضمیر مرشد ہیں جو عشق و مستی کے قافلۂ سالار ہیں۔ مولانا کو علامہ نے اپنا غائبانہ مرشد بنایا ہوا ہے۔ اسی لئے یہاں لفظ مرشد استعمال کیا۔ رومی عشقِ حقیقی سے بے حد سرشار تھے، اسی بنا پر انہیں عشق و مستی کا قافلۂ سالار کہا ہے۔ (۱)

علامہ اقبال کی شاعری میں قران کا مقام وہی ہے جس طرح مثنوی کے لئے قرآن ہے۔ علامہ اقبال کا تعلق ساری عمر قرآن سے اساسی رہا۔ ماہرینِ بشریات کی آراء و تجزیات کے مطابق مذہبی عقیدت اور خدا کا پیغام ایک کُلی انسانی منشور مرتب دینے میں رہنما کی حثیت رکھتا ہے۔ اقبال کی شاعری کی روشنی میں قرآن پاک ایک ایسی ہی کتابِ رُشد و ہدایت ہے کہ جو عالمِ انسانیت کی عالمگیر رہنمائی کا محرک ہے۔ اس ضمن میں وہ کہتے ہیں کہ

نقش قرآن تا درین عالم نشست
نقش ھاي کاھن و پا پا شکست

(۱) محمود نظامی، ملفوظاتِ اقبال، (مرتب)، اشاعت منزل، لاہور، ص ۱۲۱۔ سن ندارد

فاش گویم آنکه دردل مضمر است
این کتابي نیست چیزي دیگر است [۱]

ترجمہ؛کیا ہے قرآن ؟ خواجہ (صاحب اختیار ) کے لئے موت کا پیغام ۔ مفلس اوربے کس کا دستگیر۔زرانروز آدمی سے خیر کی توقع مت رکھو۔ تم ہر گز بھلائی کو نہیں پا سکو گے جب تک راہِ خدا میں خرچ نہ کرو۔

قرآن وہ کتاب ہے جو روزِ ازل ہی سے انسانیت کے لئے سرچشمہ ءہدایت رہا ہے. ایسا کوئی بھی اہلِ نظر نہیں جو حق کی شناخت سے بہرہ ور ہوا ہے اور پھر کائناتی حقیقتوں کی نقاب کشائی سے بے بہرہ رہا ہو۔ حتیٰ کہ وہ مفکرین بھی جو باقاعدہ حلقہ بگوشِ اسلام نہیں تھے لیکن حرفِ حق سے آشنا تھے اور اس کتابِ رُشد وہدایت قرآن سے بہرہ ور تھے. جبکہ مسلمان مفکرین تو الہامِ قرآنی کے بِنا تکلم بھی نہیں کر پاتے. وہ شعرا جو اہلِ معرفت اور تلامذہ رحمٰن کے قبیلے میں سے ہیں، قرآن ان کے پہلو میں رہا ہے. ان کے اشعار میں قرآنی حوالے موجود ہیں۔

سندھی زبان کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف کی زندگی میں قرآن اور مثنوی مولوی سے اخذ و استفادے کا عمل جاری رہا، جس کا ثبوت ان کے کلام سے بعینہ موجود ہے۔ اسی طور اقبال کا تو تمام کلام (کلیاتِ فارسی و اردو) قرآنی تعلیمات کے زیرِ اثر ہے جبکہ ان کے اشعار میں قرآنی عظمت و تعلیم کے بارے میں ایسے اشعار بکثرت ملتے ہیں، جن سے مقاصدِ حیات کو ایک مثبت لائحہ عمل کے تحت ترتیب دینا ہے۔ ان کی نظر میں قرآن حقیقت آدم شناسی اور آدم پروری میں اہم ترین کردار کا حامل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

مثل حق پنهان و هم پیداست این
زنده و پاینده و گویاست این
اندر و تقدیر هاي غرب و شرق
سرعت اندیشه پیدا کن چو برق
با مسلمان گفت جان بر کف بنه
هر چه از حاجت فزون داری بده

(۱) خواجہ حمید یزدانی،ڈاکٹر،شرح مثنوی پس چہ باید کرد مع مسافر از علامہ محمد اقبال،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۰۴ء، ص۔۶

آفریدی شرع و آیینی دگر
اندکی با نور و قرآنش نگر
از بم وزیر حیات آگہ
شوی ھم ز تقدیر حیات آگہ شوی(۱)

اقبال کے فلسفہ ءحیات کی قرآن سے وابستگی گھریلو ماحول اور مدرسے کی ابتدائی تعلیم کی بنا پر ایک فطری عمل ہے، جس کی کئی توجیہات ہو سکتی ہیں مگر بہر حال قرآن کی تعلیمات پر غور و فکر اور تدبر اور سلسلہ حیات کے ہر ہر مرحلے پر اس سے رہنمائی حاصل کرنا اقبال کی زندگی کا اہم جزو رہا ہے۔ قرآنی تعلیمات سے جذباتی و حسیاتی ہر دو سطح پر اس کے زیرِ اثر ہونے کا ثبوت اُن کی شاعری سے بدرجہ اتم ملتا ہے۔۔ اواخر عمری میں ان کی آواز میں گرفتگی پیدا ہو گئی، جس کی بنا پر وہ تا مرگ اسی دُکھ میں مبتلا رہے کہ وہ قرآن کی تلاوت بلند آواز میں نہیں کر سکتے۔ بیماری کے ایام میں جب ان کے سامنے کوئی بلند آواز میں قرآن کی تلاوت کرتا تو ان پر رقت و لرزہ طاری ہو جاتا۔ اُن کے اس درد کو منظوم صورت بطور دلیل بھی دیکھا جا سکتا ہے؛

ای من در گلوی من شکست
شعلہ ای از سینہ ام بیرون نہ جست
در نفس سوز جگر باقی نماند
لطف قرآن سحر باقی نماند (۲)

ترجمہ؛میرا نغمہ میرے حلق میں پھنس کر رہ گیا۔ میرے سینے سے شعلہ باہر نہیں لپک سکا۔ سانسوں میں سوز جگر باقی نہیں رہا۔ صبح میں قرآن کی تلاوت کا لطف باقی نہیں رہا۔

اقبال نے اپنے گھرانے کے مذہبی ماحول سے بھی فائدہ اُٹھایا اور تمام زندگی قرآن کی روشنی میں گزاری۔ اُنھوں نے قرآن کو محض ضروری کتاب سمجھ کر یا نیکی اور بہشت کے حصول کا ذریعہ جان کر نہیں پڑھا بلکہ وہ اس کا مکمل ادراک رکھتے تھے۔ والد کے الفاظ کے مطابق وہ کلام اللہ کو اپنے دل و دماغ پر طاری ہوتا محسوس کر سکتے تھے۔

---

(۱) محمد اقبال، علامہ، پیغام افغانی با ملتِ روسیہ مشمولہ جاوید نامہ، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص۔ ۹۰

(۲) مولانا اقبال لاھوری، کلیات اشعار فارسی، با مقدمہ: احمد شروس، انتشارات سنایی، تھران چاپ ہفتم ۱۹۷۶ء، ص ۴۱۴

مطالبِ قرآن پر ان کی نظر ہمیشہ رہتی۔ قرآن پاک کو پڑھتے تو اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرتے۔ بلکہ نماز کے دوران جب وہ باآواز بلند پڑھتے تو وہ آیات قرآنی پر فکر کرتے اور ان سے متاثر ہو کر رو پڑتے۔ (۱)

شاید اسی مناسبت سے انہوں نے فرمایا تھا کہ

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ گشا ہے رازی نہ صاحبِ کشاف (۲)

اقبال کے مستقل خادم، علی بخش کہتے ہیں کہ

قرآن اس خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے کہ جی چاہتا تھا بس سارے کام چھوڑ کر انہی کے پاس بیٹھا رہوں۔ اس زمانے میں کھانا پینا بھی چھوٹ گیا تھا۔ صرف شام کو تھوڑا سا دودھ پی لیا کرتے تھے۔ (۳)

اس شاعرِ انسانیت کے اشعار میں قرآنی آیات، احادیثِ رسولِ خدا ﷺ بطور تلمیح نظر آتی ہیں ۔ان کے نزدیک اہم اور مستند ترین کتاب یہی ہے۔وہ چاہتے تھے کہ ان کا کلام مستند اور معتبر تر ٹھہرے اس لئے اس کتابِ ھدیٰ کو اپنا رہنما بنائے رکھا. اقبال نے چوتھے پارے کی پہلی آیت سے اپنی بات کو اس طور مدلل و معتبر ٹھہرایا:

چیست قرآن خواجہ رابیغام مرگ
دستگیر بندہ ی بی ساز و برگ
ھیچ خیراز مردک زر کش مجو
لن تنالو البر حتي تنفقو! (۴)

---

(۱) چراغ حسن حسرت، اقبال نامہ (مرتب)، لاہور، تاج کمپنی، ص۔۱۸، سن ندارد
(۲) کلیات اقبال (اردو) ص۔۲۰۷
(۳) غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن، اقبال اکادمی پاکستان، لاھور، ۱۹۸۸ء، ص۔۱۷
(۴) کلیات اقبال (فارسی)، ص ۳۱۶

ترجمہ؛ کیاہے قرآن؟خواجہ (صاحب اختیار) کے لئے موت کا پیغام۔ مفلس اور بے کس کا دستگیر۔

انہی نکات کو اقبال کے مندرجہ زیل اشعار میں بھی دیکھا جاسکتا ہے جہاں وہ زر اندوزی اور دنیا طلبی کی مخالفت کرتے ہوئے قرآن پاک کو دلیل بناتے اور زکوۃ کے فائدے اور حکمت کے بارے میں فرماتے ہیں

حب دولت رافنا سازد زکوات
ھم مساوات آشنا سازد زکوات
دل ز حتیٰ تنفقو محکم کند
زر فزاید الفت زر کم کند[۱]

ترجمہ؛ زکوۃ دولت کی محبت کو فنا کرتا ہے۔ مساوات کو زکوۃ عام کرتا ہے۔ دل کو حتیٰ تنفقو سے مضبوط بناتا ہے۔ زر افزائی تو کرتا ہے لیکن زر کی محبت کو کم کرتا ہے

دولت کی مساوی تقسیم کے سماجی، مذہبی، اخلاقی قواعد وضوابط کی روشنی میں تجزیہ یہ ثابت کرتا ہے کہ غیر مساوی تقسیم وروپے سماج کی فعالیت میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہر سماج کی بقا دولت کی مساوی تقسیم میں مضمر ہے۔ اقبال نے بھی اِسی سماجی کلیے کی حمایت کرتے ہوئے ذخیرہ اندوزی اور مال پرستی کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ دستِ سخا پر یقین اور اعتقاد کی بھی کلی حمایت کی۔ اُنھوں نے یہ درس از قرآن حاصل کیا تھا. اقبال نے اس آیہ سے، بال جبریل کی نظم "ابلیس وجبریل" سے استفادہ کیاہے. اس کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں کہ

جس کی نومیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات
اس کے حق میں تقنطو اچھا ہے یا لاتقنطو[۲]

جیسا کہ ذکر ہوا، اقبال کی شاعری ایک طرح سے قرآنی تعبیر ہے۔ آیات میں اور حتیٰ احادیثِ نبوی میں بھی جو کلمہ "لا" سے آغاز ہوتے ہیں، سے زیادہ تر استفادہ فرماتے ہیں۔ اقبال ایک شعر میں حمیتِ مسلمانی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پسندیدہ کردار مردِ مومن کے لئے, لفظ "لا تخف" سے جو قرآن میں تکرار کے ساتھ آیا ہے استفادہ کرتے ہیں, یعنی پروردگارِ عالم، حکمِ لا تخف دیتے ہیں. اقبال حضرت موسیٰ کے معجزے سے مردِ مومن کو مثال دیتے ہیں اور حکمِ لا تخف کو شعر کی صورت یوں بیان کرتے ہیں ؛

---

(۱) ایضا، ص۔۳٦

(۲) کلیات اقبال (اردو)، علامہ محمد اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاھور، بزم اقبال، لاھور. اشاعت دوم ۱۹۹۴ء، ص ۴۷۴

چون کلیمی سوی فرعونی رود
قلب او از لا تخف محکم شود(۱)

ترجمہ؛ جب کلیمی فرعونیت کی جانب بڑھتی ہے تب اس کا دل لاتخف سے مضبوط ہو جاتا ہے۔

اقبال چاہتے ہیں کہ ان کی ملت کا ہر فرد موسیٰ اور خلیل اللہ کی طرح کسی قسم کے بیم وخوف کا اسیر نہ ہو۔ وہ قرآنی آیات پر تکیہ کر کے خدا کی کمک کی تلقین فرماتے ہیں اور اس نکتے کو جو سورہ شعرا، میں یوں بیان ہے

﴿وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَه اَجْمَعِيْنَ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾(۲)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو نجات دی۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

شعری صورت میں اسی قرآنی پیغام سے یوں اخذ و استفادہ کرتے ہیں کہ:

در گذر مثل کلیم از رود نیل
سوی آتش گام زن مثل خلیل(۳)

ترجمہ؛ کلیم کی طرح دریائے نیل سے گزر جا۔ خلیل کی طرح آگ کی جانب گامزن ہو جا۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا لَهُمْ بِه مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا﴾(۴)

ترجمہ: اور اس بات کو کچھ بھی نہیں جانتے، محض وہم پر چلتے ہیں، اور وہم حق بات کی جگہ کچھ بھی کام نہیں آتا۔ مندرجہ ذیل شعر میں ملاحظہ فرمائیں کہ اقبال کس کمال سے سورہ نجم کی اس آیتِ مبارکہ، کے مضمون کو منظوم تاثریت کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

---

(۱) کلیات اقبال (فارسی)، ص۔ ۶۵
(۲) القرآن الکریم، سورۃ الشعرا، ۲۶ : آیت نمبر ۶۶،۶۵
(۳) کلیات اقبال (فارسی) ص ۳۱۸
(۴) القرآن الکریم، سورۃ النجم، ۵۳: آیت نمبر ۲۸

حیات جاوید ان اندر یقین است
رہ تخمین و ظن گیری، بمیری[۱]

ترجمہ؛زندگی کی جاویدانی یقین میں ہے۔اگر گمان اور ظن پر چلوگے تو مر جاوگے۔

حدیثِ رسول خدا ﷺ ہے" لا تحزن ان اللہ معنا" اس نکتے کو اقبال حزن ویاس سے دور رہنے کے لئے اکثیر سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

ای کہ درزندان غم باشی اسیر
از نبی تعلیم لا تحزن بگیر[۲]

ترجمہ؛توجو غم کے زندان میں قید ہے۔نبی سے لا تحزن کی تعلیم حاصل کر۔

عملی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اقبال پیغام دیتے ہیں کہ اس کتاب کبیر و خیر کثیر کی تہہ تک پہنچ کر انسان کسی بھی سطح پر ذلت اور خواری کے زیر اثر نہیں رہتا جب کہ سربلندی اور عظمت کے انسانی وقار تک پہنچتا ہے کیونکہ اقبال کی نظر میں آج کا نوجوان مسلمان اگر حقیقی مسلمان بن کر جینا چاہتا ہے تو اسے اپنی عملی حیات کی قرآن پاک سے جڑت بنانی ہوگی مثال ملاحظہ کیجئے؛

گر تو می خواھی مسلمان زیستن
نیست، ممکن جزبہ قرآن زیستن[۳]

ترجمہ؛مسلمان بن کر جینا چاہتے ہو تو قرآن پر عمل کے بغیر ممکن نہیں۔

اور جب ایک مسلمان قرآن کو اپنا منشور بنا کر اس پر زندگی کے روزمرہ کو پابند کرتا ہے تو وہ سراپا قرآن بن جاتا ہے۔اقبال اسی نکتے کی جانب اشارہ فرماتے ہیں کہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن[۴]

---

(۱) ایضا،ص ۴۷۲
(۲) ایضا،ص۔ ۴۷۲
(۳) ایضا،ص ۲۱۱
(۴) کلیات اقبال(اردو)،علامہ محمد اقبال،اقبال اکادمی پاکستان،لاھور،بزم اقبال،لاھور. اشاعت دوم ۱۹۹۴ء،ص ۸۸

یہ اقبال کی قرآن اور قرآنی تعلیمات کے ساتھ عشق کی شدید کیفیت تھی کہ وہ قرآن پاک پر عمر کے آواخر میں انگریزی زبان میں کتاب لکھنا چاہتے تھے لیکن بیماری کے باعث فرصت میسر نہ ہوئی وگرنہ وہ اپنے آگہی کے اس سفر میں مسلمان اُمہ کو بھی حصہ دار بنانا چاہتے تھے جس کا شعری پیرائے میں برابر اظہار موجود ہے۔ سر راس مسعود کو ایک خط میں اسی حوالے میں یوں لکھتے ہیں کہ

> اس طرح میرے لئے ممکن ہو سکتا تھا کہ میں قرآن کریم پر عہد حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصہ سے میرے زیرِ غور ہیں لیکن اب تو، نہ معلوم کیوں، ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میرا خواب شرمندہء تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر مجھے حیاتِ مستعار کی باقی گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسر آئے تو میں سمجھتا ہوں قرآن کریم کے ان نوٹوں سے بہتر کوئی پیش کش مسلمانانِ عالم کو نہیں کر سکتا۔ (۱)

قصہ کوتاہ، اقبال کی دور بیں و دور رس نگاہ نے اپنے عصر میں تو مسلم معاشروں میں پھیلی خوف وہراس، عدم اعتماد کی فضا، یاسیت، غیروں پر سیاسی و معاشی انحصار، نوجوان نسل کی تن آسانی کو تو محسوس کیا ہے مگر اُس مردِ قلندر نے زمانے کی تلثیث پر مسلم معاشرے کی سراسیمگی کو محسوس کرتے ہوئے اپنی شعری متاع کو قرآنی پرتو سے مزین کیا۔ عصرِ حاضر میں مسلمان کی سیاسی، سماجی و معاشی صورتحال اِس بات کی متقاضی ہے کہ اپنی خودی، اسلامی اور سماجی نظریاتی اساس کی عملی زندگیوں میں قرآنی تعلیمات کی شمولیت لازم بناتے ہوئے، اپنی ثقافت، سماجی اقدار کو مذہب و اعلیٰ اخلاقی قدروں سے ہم آہنگ کیا جائے۔ علمِ نفسیات، طب و روحانیت، انسانی جسم و روح نیز خیالات کی بالیدگی و طہارت کی سچائی پر جو اسرار کرتا ہے تو اُس کا مقصد نیکی کا حصول نہیں بلکہ جسم و روح ایک ایسا نظام ہے کہ جس کی مدافعت قرآنی تعلیمات کے تحت خود کو باضابطہ اور منظم کرنے میں مضمر ہے۔

کلامِ اقبال، انسان کو اپنی فطرت کی اِسی بازیافت کے لئے مذہب، فرد، ثقافت کی آمیزش سے ایک فعال سماج کی تعمیر کی شُنید دیتا ہے۔ اقبال اِس ضمن میں فرد و سماجی ظاہری حقیقتوں کے ساتھ ساتھ باطنی حقائق کی آگہی کے لئے مشاہدے سے زیادہ مکاشفے پر زور دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کلامِ اقبال نظر کے ساتھ ساتھ بصیرت کو بھی جلا بخشتا ہے۔ یعنی کلامِ اقبال کے عقب میں سماجی و ثقافتی فلاح کے لئے قرآنی تعلیمات کا واضح حوالہ موجود ہے۔ اِسے

---

(۱) خان، سر سید احمد، مقالاتِ سر سید (حصہ دوم)، مرتبہ: شیخ محمد اسماعیل پانی پت، مجلس ترقی ادب، لاہور، اکتوبر ۱۹۲۲ء ص۔ ۱۱

زندگی کے کسی بھی رُخ کی پرکھ کے لئے برتا جائے، اِس کا فیصلہ زمانہ حال میں ثقافت و سماج کی خالص تجسیم کے لئے اخلاق و مذہب کے دائرہ کار میں ضم ہونے میں ملتا ہے۔